

بحث و نظر

جماعت اسلامی اور سیاسیات پاکستان

- ۱۔ جناب جاوید انصاری صاحب مدیر معاون یونیورسٹی میسج۔ کراچی
- ۲۔ جناب فتحی عثمان چیف ایڈیٹر عربیہ۔ لندن۔
- ۳۔ مدیر ترجمان القرآن۔

ماہنامہ عربیہ کے تازہ شمارے (ماہ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۵ء) میں جناب جاوید انصاری نے جماعت اسلامی کی ایک حامیانہ تصویر پیش کی ہے۔ اس پر جناب فتحی عثمان چیف ایڈیٹر عربیہ نے بطور خاص تبصرہ کیا ہے۔ جماعت کو انقلابیت سے ہٹ کر "دعوۃ" کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس سلسلے میں مدیر ترجمان القرآن نے بھی محسوس کیا کہ کچھ کہنا ضروری ہے۔ مجھے اپنی رائے مرتب کر کے مرتب کر کے براہ راست "عربیہ" کو بھیجوانی ہے، مگر اس وقت اس کا ترجمان القرآن میں آنا ضروری ہے۔

میری سہولت کے لیے جناب پروفیسر آسی ضیائی رام پوری اور برادر عزیز عبدالباقی احمد دونوں نے متذکرہ مضامین کے اردو تراجم فراہم کر دیئے تاکہ رسالے کی تیاری میں تاخیر نہ ہو۔ امید ہے کہ یہ تحریریں قارئین کے لیے دلچسپ ہی نہیں، بہت مفید بھی ہوں گی۔

(نئے رص)

(۱)

جناب جاوید انصاری مدیر معاون "میسج" کراچی

گذشتہ برسوں میں جماعت اسلامی پاکستان اتنقید و تذلیل کی کئی مہموں کا موضوع رہی ہے۔

اس مضمون کا مقصد ان نکتہ چینیوں کا جائزہ لینا اور شدہ سے شدہ تک کے کٹھن دور میں جماعت کی پالیسیوں کا معقول اور متوازن دفاع کرنا ہے۔

مسٹر بھٹو نے جس جمہوریت کو چٹا کر دیا تھا اس کی بجالی کے لیے تحریک میں جماعت پیش پیش تھی۔ مگر اس تحریک میں شامل چند بے صبر عناصر جلد ہی الگ ہو گئے اور فوج کو پاکستان کی قومی سیاسی زندگی پر قبضہ مستحکم کر لینے دیا گیا۔ ۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۹ء تک کے عرصے میں تحریک میں شامل جماعتوں نے بالعموم فوج سے مفاہمانہ رویہ اختیار کیے رکھا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ نئی فوجی انتظامیہ نے وہ خطیبانہ سیاسی نعرہ اپنا یا جو بہت دلکش تھا۔ جنرل ضیاء نے پاکستان میں اسلامی سیاسی نظام قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ انھوں نے علامتی اصلاحات اور معاشی پالیسیاں نافذ کیں، جن کا مثبت اثر ہوا، اور انھوں نے جلد ہی نمائندہ حکومت بحال کرنے کا بھی وعدہ کیا۔

اگر تشریح میں جو سول انتظامیہ قائم کی گئی اس میں دو مقاصد کے پیش نظر جماعت بھی شامل ہو گئی۔ اولاً وہ اس طریق پر ساوی ہو جانا چاہتی تھی جو پارلیمانی جمہوریت کی بجالی پر منتج ہو۔ ثانیاً وہ ایسی قومی پالیسی اور اصلاحات بروئے کار لانا چاہتی تھی جو پاکستان میں اسلامی نظام معاشرت تعمیر کرنے کی راہ ہموار کر سکیں۔

نومہ کا وہ نرصد جب جماعت حکومت میں شامل تھی، نہایت مایوس کن ثابت ہوا۔ ہم میں سے جو صاحبان وزارتوں میں آئے وہ جنرل ضیاء اور اس کے فوجی حلیفوں کے اسپل عزائم سے باخبر ہو گئے۔ یہ واضح ہو گیا کہ فوجی حکومت معاشرے کو اسلامی بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ اس کا تو مقصد اسلام کو اسی طرح استعمال کرنا تھا جیسے مجسٹو سوشلزم کو اور فیڈر مارشل ایوب خان قومیت کو استعمال کر رہے تھے۔ یوں اسلامی بنانا محض معاشرے کو سیاست سے الگ رکھنے اور اور فوجی آمریت کو دوام بخشنے کا ایک ذریعہ تھا۔ جماعت کی وزارتوں نے شدہ سے شدہ تک کے عرصے میں جو پالیسیاں تجویز کیں ان کی بڑی اکثریت کو صدر اور اس کے مشیروں نے مسترد کر دیا۔

۱۹۷۹ء سے شدہ تک جماعت فوجی انتظامیہ کی پالیسیوں کی کڑی مخالف رہی۔ ان پالیسیوں میں کھلے نفاذات سے جماعت کی قیادت کو تشویش تھی تاہم بعض رفقاء کی دلیل یہ تھی کہ صدر خود تو ایک مخلص مسلمان ہے مگر سول انتظامیہ اس کی پالیسیوں کو ناکام بنائے دے رہی ہے۔ اس طرح ضرورت تھی کہ جس اسلامی فکر کی نمائندگی کا صدر کو دعویٰ تھا اس کی تائید کی جائے اور ان پالیسیوں کے نفاذ کے لیے ایسے ادارے اور

طریقے وضع کیے جائیں جو نوکر شاہی کو قابو میں رکھیں۔

ارکان جماعت کی بھاری اکثریت نے اس حکمت عملی کی توثیق کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدر ضیاء کو اس سال قومی استصواب میں جماعت کی حمایت حاصل رہی۔ اس استصواب سے حکومت کے ”اسٹامپ لینے“ کے لیے کیے جانے والے اقدامات کی توثیق مطلوب تھی۔ مگر استصواب سے کچھ ہی قبل جنرل ضیاء نے ایک ٹیلی وژن نشریے میں کہا کہ اس توثیق کا مطلب وہ یہ لیں گے کہ انہیں مزید پانچ سال تک پاکستان کے صدر بننے کا پروانہ مل گیا۔ جماعت جنرل ضیاء کی حمایت پر رضامند ہو گئی، کیونکہ امیر جماعت میاں طفیل محمد سے ایک ملاقات میں صدر نے وعدہ کیا کہ وہ شریعت کو ملک کا بالادست قانون بنائیں گے۔ اس نکتہ کا دستور تمام وکمال بحال کر دیں گے اور غیر مشروط طور پر مارشل لا اٹھالیں گے۔

جماعت کے جو رہنما شہرہ آفاق مسول امتقا میر میں وزیر چکے تھے انھیں صدر کی وعدہ خلافی پر کوئی تعجب نہ ہوا۔ وہ چھ سال پہلے ہی جان گئے تھے کہ فوجی قیادت، افسر شاہی کے اختیارات گھٹانے یا عوامی ناسندگی کے لیے اسباب پیدا کرنے کا، جس سے افسروں کو قابو میں رکھا جاسکے، کو کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ ان رہنماؤں کا کہنا تھا کہ جماعت حکومت کی نافذ کردہ ”نفاذ اسلام کی اسکیم“ کا پول کھول دے اور عوام کو بتا دیا جائے کہ یہ محض پاکستان پر فوجی آمریت جاری رکھنے کا ایک پردہ ہے۔

وسط مشرق میں جماعت نے فیصلہ کیا کہ قومی اور تمام صوبائی اسمبلیوں میں حزب اختلاف کا کردار ادا کرے، نیز اس نے اس کے لیے بھی مساعی تیز کر دیں کہ ایک وسیع بنیاد سیاسی پروگرام پر مبنی قومی اتحاد قائم کرے۔ اس پروگرام کے کلیدی عناصر یہ ہیں:

— مشرق کے دستور کی تمام وکمال بحالی اور پاکستان میں اسلامی جمہوریت کا قیام۔

— پاکستان کی قومی سالمیت کا تحفظ اور مشرق کے دستور کے عطا کردہ چھوٹے سوہوں کے حقوق کی بحالی۔

— جہاد افغانستان کی حمایت جاری رکھنا۔

جماعت کو فوجی حکومت سے تعاون پر بھی ہدف نکتہ چینی بنایا گیا ہے اور اس کی مخالفت کے لیے ایک قومی سیاسی اتحاد قائم کرنے کی کوشش کر بھی۔ میرا یہ منشا نہیں کہ ان میں سے کسی حکمت عملی کا دفاع کر دیا جائے جس نکتے پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلامی اقدار اور اسلامی نظریہ سیاسی کے تناظر میں یہ دونوں حکمتیں بالکل جائز ہیں۔ کسی ایک سیاسی تدبیر کا انتخاب سیاسی طور پر ہینگا، بلکہ شاید بہت ہی مہنگا

پڑ سکتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں یا جا سکتا کہ بطور ایک اسلامی انقلابی جماعت کے جماعت اسلامی کے لیے یہ جواز نہیں۔

ایک اسلامی انقلابی پارٹی ہوتے ہوئے جماعت سے وقتاً فوقتاً سیاسی غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں جماعت نے اپنے ارکان اور کارکنوں کی اخلاقی و روحانی تربیت پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ کچھ کارکنوں میں دنیا کی طرف میلان پیدا ہو چلا ہے اور اسلامی کام سے ان کا رویہ پیشہ دارانہ سا بن گیا ہے۔ اس کا نتیجہ پارٹی ڈسپلن ڈھیل پڑ جانے اور پاکستانی معاشرے پر جماعت کے کام کا اخلاقی اثر ہلکا ہو جانے کی صورت میں رہنا ہوا ہے۔

شہر کی تحریک میں جو فوائد حاصل ہوئے تھے جماعت انہیں اختیار کرنے - INSTITUTION - ALISING - میں کامیاب نہ ہو سکی۔ مزید برآں، انتخابی سیاست پر زیادہ توجہ دینے کے باعث سماجی اور تعلیمی کام، جو جماعت نے اپنے نئے نئے رکھے تھے، ان کی طرف سے بھی بے اعتنائی برتی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان کے شہروں اور قصبوں میں عوامی بنیاد قائم کر لینے کے بہت سے مواقع جماعت نے کھو دیئے۔ سب سے بڑھ کر یہ امر نقصان دہ ہوا کہ انقلابی نظریے کے فروغ کی طرف ناکافی توجہ دی گئی۔ بہت سے پالیسی اقدامات بیرونی محرکات کے فوری (AD HOC) تقاضوں کے تحت عمل میں آئے۔

جماعت کو شدید خطرے کا سامنا ہے کہ اس کی نگاہوں سے اسلامی معاشرے کی تشکیل کے عمل کا مربوط منظر اوجھل نہ ہو جائے اور وہ اس عمل کو دوسروں کے سامنے آشکارا کرنے کی صلاحیت کے لحاظ سے کوتاہ ثابت ہو۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر عملیت اور تجربیت ہی پارٹی کے بنیادی اصول بن کر رہ جائیں گے۔

جماعت کو جو ناکامیاں ہوئیں ان کی وجہ سے کتنے ہی رفقاء کو مایوسی ہوئی اور کچھ جماعت سے لکل بھی گئے، مگر انہیں پاکستان کی لادینی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے قابل کوئی اور پلیٹ فارم تیار کرنے میں ناکامی ہوئی، بلکہ اکثر نے توجہ کو کوشش ہی نہیں کی۔ جماعت اسلامی ہی ملک میں وہ تنہا سیاسی اور سماجی قوت ہے جو پاکستان میں ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کے لیے پائیدار تحریک چلانے کی اہل ہے۔ یہ اس لیے کہ مولانا مودودیؒ کا پیش کردہ انقلابی نظریہ قطعی درست ہے اور آج کی مسلم دنیا میں نظریاتی اور

سماجی حالات میں انتہائی موزوں بیچھٹتا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل کے قضیوں میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

— نوآبادیاتی استعمار کے تحت مسلم معاشروں میں باقاعدہ طبقہ بندی (FUNCTIONAL DISTINCTION) نمایاں ہے جو حکمران گروہ کی سماجی علیحدگی پسندی میں نظر آتا ہے، اور یہ طبقہ اصلاً بیرونی استعمار کی حمایت کے بل پر سیاسی اقتدار پر فائز ہے۔

— ان معاشروں کے اسلامی کردار کی بحالی کا تقاضا ہے کہ ان زبردستی کے سیاسی دھرماتماؤں کو بے دخل اور منتشر کر دیا جائے اور منظم مسلم طاقتوں کے ماتھے میں سیاسی اقتدار مستحکم کر دیا جائے۔

— مسلم ممالک میں اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کا واحد پائیدار آلہ ایک اسلامی انقلابی جماعت ہی ہو سکتی ہے۔ ایسی پارٹیاں اپنے سماجی اثرات کو سیاسی اقتدار میں بدل دینے ہی سے غرض رکھیں نہ کہ ہرزئی اسلحہ سے۔

یہ امر کہ جماعت اسلامی ایک اسلامی انقلابی پارٹی ہے، دو باتوں سے ظاہر ہے۔ قیام پاکستان ہی یہ جماعت پاکستانی سیاست میں فعال رہی ہے۔ وہ جہزی اسلحہ پر کبھی مطمئن نہیں ہوئی۔ بلکہ اپنی تمام سرگرمیاں پاکستان میں اسلامی اصولی سیاست و عدلیت کی تعبیر کے بنیادی کام میں صرف کرتی رہی ہے۔

شہدہ میں، شہدہ میں، شہدہ میں اور شہدہ میں پاکستان کا اسلامی تشخص منوانے اور جمہوریت بحال کرانے والی تمام قومی تحریکوں میں مرکزی کردار جماعت ہی کا رہا ہے۔ شہدہ سے ایم۔ آر۔ ڈی کے تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان میں بحالی جمہوریت کی کوئی قومی تحریک، جماعت کی فعال شرکت کے بغیر نہیں چل سکتی۔

آج جماعت اسلامی ہی پاکستان کی وہ واحد قومی جماعت ہے جو ایسی کوئی قومی تحریک منظم کر سکتی ہے جو عزم و فداکاری کی عملی طاقت بھی رکھتی ہے اور ایسی قیادت بھی جو ملک کے قومی اور اسلامی مفادات کو ذاتی مفاد پر فوقیت دینے کی اہل ہے۔

قربائیاں دینے کی اعلیٰ صلاحیت رکھنا جماعت کی قیادت کا ہمیشہ سے نمایاں وصف رہا ہے۔ قیادت کے اندر پالیسی کے مسائل پر اختلافات نے جماعت کو ہمیشہ تقویت ہی بخشی ہے۔ گذشتہ سالوں میں میاں طفیل محمد اور پروفیسر غفور کے مابین پالیسی تناظروں میں اختلافات پر بہت سے ہمدردوں کو تشویش ہوئی بعض مخالفین نے اس پر غور کیا کہ جماعت کی یقینی شکست و ریخت کی پیش گوئیاں بھی کیں۔ مگر جماعت کے اندران میں سے کسی رہنما نے بھی ایسی ظاہر نہ کی۔ میاں طفیل محمد ایک نہایت محبوب امیر ہیں۔ جنہوں نے

ارکان کے لیے بلند اخلاق کا نمونہ قائم کیا ہے اور پروفیسر غفور کی سیاسی بصیرت کا بھی وسیع احترام کیا جاتا ہے۔ اور جماعت کا سیاسی کردار دوبالا کرنے میں ان کا کام نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جماعت ہمیشہ جمہوری تنظیم پر کام کرتی آئی ہے۔ اور جب تک انفرادی قربانیاں اور اللہ کی رضا کے لیے کام کرتے رہنے کا عزم باقی رہے گا۔ سیاسی مناظروں میں اختلافات جماعت کی تقویت ہی کا باعث بنتے رہیں گے۔ یہ اختلافات جماعت کی اندرونی زندگی میں جمہوری کردار کے منظر ہیں۔ ان سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ جماعتی قیادت اختلافی سیاسی پسند و ناپسند ہے باخبر ہے اور اپنی قومی حکمت عملی میں لچک کا عنصر شامل کر لینے کی اہل بھی ہے۔

پاکستان کے علمبرداران اسلام کو جماعت کے قریب تر آنا چاہیے۔ پاکستان کی قومی سالمیت برقرار رکھنے اور اس کا اسلامی کردار منوانے کے لیے یہ ایک اہم قوت کی نمائندگی کرتی ہے۔ ماضی میں اس نے سیاسی غلطیاں بھی کی ہوں گی۔ مگر بطور ایک اسلامی انقلابی جماعت کے، یہ تعمیری تنقید کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور ماحول کے تغیرات سے ہم آہنگ ہو جانے کی اہلیت کا ثبوت بھی دے چکی ہے۔ پاکستان کو اسلامی انقلابی خطوط پر چلا کر بدل ڈالنے کا اس کے سوا اور کوئی سیاسی ادارہ موجود نہیں ہے۔ جماعت پاکستان کا مستقبل بناتے ہیں اہم کردار ادا کیا چاہتی ہے۔ پاکستان کے اسلامی انقلابیوں کا جو اس جماعت کی حمایت کر کے اور اس کی قیادت کے گرد جمع ہو کر یہ یاد دہانہ کارہ جلتے سے بیچ سکتے ہیں، یہی قدرتی بلجاو ماوئی ہے۔ (ترجمہ: پروفیسر آسی ضیائی، رام پوری)

(۲)

جناب فتیح عثمان چیف ایڈیٹر عربیہ، لندن

میں اپنی اس تحریک کی یاد تازہ کر رہا ہوں جو میں نے ڈاکٹر جاوید کے خط (عربیہ جون ۱۹۸۵ء) پر لکھی تھی۔ میں اب بھی اس یقین پر قائم ہوں کہ مسلم انقلابی (REVOLUTIONARY ISLAMIST) یا اسلامی انقلابی (ISLAMIC REVOLUTIONARY) کی اصطلاح ان لوگوں کو نہیں سمجھتی جو اسلام کے پیغام کو جامعیت اور اس کی امتیازی شان کے ساتھ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام کا ادارہ پیغام انہی کی حیثیت سے دعوت پر ہے اور اس کے مخاطب تمام لوگ ہیں۔ ظالم بھی اور مظلوم بھی۔